ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

اردوافسانے میں رمزیت وایمائیت کی تین نمائندہ آوازیں: احمد علی، منٹو اور اختر اورینوی

THREE REPRESENTATIVE VOICES OF SYMBOLISM AND EMPATHY IN URDU SHORT STORY: AHMED ALI, MANTO AND AKHTAR AURNIVI

Dr. Uzma Noreen
Lecturer Department of Urdu G.C Women University Sialkot
Dr. Zonera Batool
EST Government Comprehensive Girls Higher Secondary School Faisalabad
Saddique
Lecturer Department of Urdu University of Swabi

Abstract
The 1930s brought a new turn in Urdu fiction in a sense. The publication of "Angaray" and "Aatsh Paray" brought the elements of rebellion into Urdu fiction with full force, the revolution and rebellion strengthened the trend of realism and tried to remove romanticism from the scene of short story.
Initially, a limited concept of reality was adopted. Then Muhammad Hassan Askari's "Jazeera" and Ahmed Ali's "Hamari Gali" were the first effective blows against the limited concept of "reality". Both of them not only introduced fresh themes and styles in fiction but also broadened the horizon of Urdu short story with the diversity of language and expressions. This article is based on the concept of Symbolism and Empathy in the short stories Ahmed Ali, Manto and Akhtar Aurnivi.

Key Words:
Ahmed Ali, Manto, Akhtar Aurnivi, "Angaray", "Aatsh Paray", Muhammad Hassan Askari, "Jazeera", "Hamari Gali", diversity of language, expressions

.

اردو افسانہ نگاری میں رمزیت وایمائیت کے حوالے سے کہانی کاروں کی بھیڑ میں احمد علی کا نام بھی قابلِ ذکر ہے۔ ان کے ہاں رمزیت وایمائیت کی بھرپور لہریں پائی جاتی ہیں۔ ان کے افسانوں میں فرد کی ذہنی الجھنوں اور نفسیاتی پیچیدگیوں کے حوالے سے خاصی بحث پائی جاتی ہے۔ احمد علی کے افسانوں پر مغربی افسانوں کے اثرات پائے جاتے ہیں۔ کافکا کے افسانوں سے احمد علی نے اثر لیا ہے۔ اس حوالے سے ممتاز شیریں کے الفاظ یہ ہیں:

> "احمد علی کی مرکزی تحریروں کے علاوہ دوسری تحریریں بھی ایک خاص پایہ اور مقام رکھتی ہیں لیکن احمد علی کا مخصوص لب ولہجہ اور رنگ رمزی اور فلسفیانہ ہے۔ رمزیت کو انھوں نے شروع ہی سے اپنایا تھا۔ احمد علی کی جن تحریروں میں خاص طور پر کافکا کی رمزیت اور طریقہ اظہار پایا جاتا ہے۔ وہ "قید خانہ"، "ہمارا گھر" اور "موت سے پہلے" ہیں جن میں کافکا کے افسانوں سے نہیں بلکہ *The Castle* اور *The Trial* سے مناسبت پائی جاتی ہے۔"(۱)

احمد علی کے افسانے "قید خانہ" میں رمزیت وایمائیت کی لہروں کو واضح طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے۔ افسانے کا ماحول ایسا ہے کہ یہ واحد متکلم کے انداز میں لکھا گیا ہے۔ بنیادی کردار ایک طرح کی تنہائی کا شکار ہے۔ اس افسانے کی کہانی سے یہ ہے کہ وہ تنہائی کی وجہ سے اندرونی کرب اور داخلیت کا شکار ہے۔ اس کا اپنا مکان جس میں تنہائی کا بسیرا ہے اور اس گھر میں تنہائی کی وجہ سے "قید خانہ" کا ماحول بنا ہوا ہے۔ وہ یکسانیت سے تنگ آ چکا ہے جس کی وجہ سے وہ نفسیاتی ہیجان کا شکار ہے۔ دراصل تنہائی اکیلا پن نہیں بلکہ ایک نفسیاتی کیفیت ہے جس میں آدمی خود کو مطلق تنہا محسوس کرتا ہے اور طرح طرح کے نفسیاتی

عوارض سے دوچار ہوتا ہے۔ افسانے کا کردار بھیڑ میں کھو کر گھر، بازار، شراب خانہ، معشوقاؤں، دوست احباب سب سے الگ ہو کر اپنے آپ کو یکہ و تنہا محسوس کر کے خود کو خالی خالی محسوس کرتا ہے۔ وہ جہاں کہیں بھی بھیڑ دیکھتا ہے اس کا موازنہ اپنے گھر کے ماحول سے کر کے تنہا مزید ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے خیالات کی قید میں آ گیا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ اس کے مکان، اس کی ذات اور اس کے تخیل سے پرے کی دنیا بھی ہو گی جو اس کی تنہائی کی دنیا سے زیادہ دل کش اور خوب صورت ہو گی۔ ایک اقتباس دیکھیں:

> "اچھا اگر میں تجھ کو آزاد کر دوں تو کیا ہو؟۔۔۔ مگر ایسے وعدے تو اس نے بار بار کیے اور اب اُس کا اعتبار تک اٹھ گیا ہے۔۔۔ اس ظلم و ستم سے میں اس قدر مجبور ہو جاتا ہوں کہ اپنے مکان کی کھڑکیوں کی سلاخوں کو پکڑ کر کراہنے لگتا ہوں۔ صرف اس طرح دنیا کے منہ چڑانے اور جگ ہنسائی سے نجات مل سکتی ہے۔"(۲)

ایک بار ایسا ہوتا ہے کہ وہ تنہائی سے گھبرا کر کنیز اسے ملنے چلا جاتا ہے۔ کافی دیر تک دونوں ایک دوسرے سے باتیں کرتے رہتے ہیں۔ کنیز اکہتی ہے:

> "تم مغرور ہو۔۔۔ تم اپنے آپ میں چھپے رہتے ہو، میں نکالنے کی کوشش کروں گی۔"(۳)

اس کا جواب یوں ہے:

> "اب یہ ممکن نہیں۔ اپنے تحفظ کے لیے ایک قلعہ بنایا تھا۔ خود ہی میں اس قید خانے کی دیواریں کھڑی کی تھیں۔ اب میں نہ تو ان کو ڈھا ہی سکتا ہوں اور نہ آزادی حاصل کر سکتا ہوں۔"(۴)

اس افسانے میں مکان کی علامت زندگی ہے مگر یہی زندگی بالآخر موت پر منتج ہو جاتی ہے۔ اس افسانے کے حوالے سے ممتاز شیریں لکھتی ہیں:

> "احمد علی کے "قید خانہ" میں ایک انسانی روح جکڑی ہوئی ہے۔ ایک قید کے اندر دوسری قید، دائرے تنگ ہوتے جا رہے ہیں، گھٹن بڑھتی جا رہی ہے۔ حتیٰ کہ انسان کا جسمانی وجود ہی ایک قید ہے۔ "قید خانہ" میں احساس مجسم بن گیا ہے۔"(۵)

احمد علی ترقی پسند تحریک کے بنیاد گزاروں میں تھے۔ وہ اردو افسانے میں ایمائیت کی نمائندہ آواز ہیں۔

اختر اورینوی کے ہاں بھی رمزیت و ایمائیت پائی جاتی ہے۔ ان کے ہاں فلسفیانہ انداز پایا جاتا ہے۔ ان کا افسانہ "کیچلیاں اور بال جبریل" میں خدا، انسان اور کائنات کے بارے میں بہت سے فلسفیانہ مباحث پائے جاتے ہیں۔ افسانے میں خیر و شر کا تصادم دکھایا گیا ہے۔ انسان شیطان اور فرشتے کا کردار تاریخی تناظر میں پیش کیے گئے ہیں۔ اس افسانے کے بارے میں خود اختر اورینوی کے الفاظ یہ ہیں:

> "یہ افسانہ تاثراتی اور ایمائی ہے۔ اس کی تکنیک بھی اپنی آہنگ کی استعمال کی گئی ہے۔ افسانہ چار حصوں میں منقسم ہے۔ نمبر کی جو اشکال تقسیم کی گئی ہیں وہ بھی ایمائی ہیں۔ مثلاً (۱) (۲) (۳) اور آخر (۴)۔ پہلی شکل عام وحدت کی سمبل ہے۔ دوسری خالق و مخلوق کی سمبل جس کی انتہا قاب قوسین ہو جاتی ہے۔ تیسری وہ مثلث ہے جس میں آدم کی اولاد گرفتار ہے اور چوتھی شکل شکست و ریخت کی سمبل ہے۔ جب چاروں دیواریاں ٹوٹ چکی ہیں۔"(۶)

اس افسانے میں تاریخی عوامل کے ذریعے سے رمزیت و ایمائیت کا ماحول بنایا گیا ہے۔ بحر و بر، جنگل و کوہسار اور زماں و مکاں کے ذریعے سے دنیا بنائی گئی ہے اور پھر اس میں انسان کو بھیجا گیا لیکن انسان "میں" کے حصار میں مقید ہو گیا اور شیطان نے اس حوالے سے انسان کو ہر حال میں ورغلایا اور یوں خیر و شر کی کش مکش کا آغاز ہوا۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

اس حوالے سے یہ اقتباس دیکھیں:

"جبریل اور شیطان مجھے ٹکڑے ٹکڑے کرتے رہتے ہیں۔ تاش تاش، پاش پاش، ریزہ ریزہ۔۔۔میں جانتا ہوں مجھے خراد کر، خراش کر، کانٹ چھانٹ کر، کوٹ پیس کر، گوندھ گوندھ کر، تپا کر، پگھلا کر کون اپنے لیے کھلونے بناتا رہتا ہے۔"(۷)

اس افسانے میں اژدھے اور بچھوؤں کی علامات کو امریکہ اور روس کو دو بڑے دشمنوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اس طرح افسانے میں اژدھوں اور بچھوؤں کی لڑائیاں دکھائی گئی ہیں جو ان دو بڑی طاقتوں کی علامات کے طور پر دکھائی گئی ہیں۔ اژدہے انسانوں کا خون کر کے آباد شہروں کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں اور بچھو بھی اس عمل میں ان کا ساتھ دیتے ہیں۔ ایک اقتباس دیکھیں:

"میں نے دیکھا کہ اس کرۂ ارض کے گرد ایک شیطان کی آنت کی طرح اژدہا لپٹا ہوا ہے اور دنیا اس کے شکنجے میں تڑخ رہی ہے۔ ایک جسیم دیوزاد دجال صلیب اٹھائے چلا آرہا ہے۔ وہ طاقت و جبروت کے نشے میں چُور ہے۔ دو شہروں کو اپنی دوزخی مٹھی کھولتے ہی بھک سے اڑا دیا گیا تھا۔ وہ اپنی خدائی کا اعلان عام کر رہا تھا کہ دوسری جانب سے عفریت اعظم آزاد پرومیتھوس ایک بپھرے ہوئے خنزیر پر سوار موجود لاموجود سب کا انکار کرتا ہوا دجال سے ٹکرانے کے لیے آگے بڑھا اور دنیا میں حشر برپا ہو گیا۔ پھر میں نے شہپرِ جبریل کی پھڑ پھڑاہٹ سنی اور ایک یدِ بیضا کو بڑھتے ہوئے دیکھا، اس کی ضیا سے دجال اور خنزیر پر سوار عفریت دونوں پگھل کر فنا ہونے لگے۔"(۸)

اوپر مذکروہ اقتباس میں رمزیت وایمائیت کی جڑیں کیسی گہری ہیں۔ اس میں اژدہا کو امریکہ سے تشبیہ دی گئی ہے کہ اس نے ایٹمی ہتھیار سے جاپان کو اڑادیا تھا۔ دجال سے مراد روس اور اس کے حامی ہیں۔ پرومیتھوس ہٹلر کی جانب اشارہ ہے کہ جب دوسری جنگِ عظیم برپا ہوئی تھی۔ شہپر جبریل کی پھڑ پھڑاہٹ مہیب جنگ کے بعد صلح اور امن کی علامت ہے جب کہ یدِ بیضا کا مطلب اقوام متحدہ ہے۔

سعادت حسن منٹو اگرچہ معاشرے کا بے رحم نقاد ہے اور ان کے افسانوں میں حقیقت نگاری اس قدر تلخ انداز میں بیان کی جاتی ہے کہ جنسی پراگندگی کا باعث بن جاتی ہے جس کی وجہ سے اعصابی تناؤ کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے،۔ اس طرح یہ ذہنی تعیش کی کیفیت کے حوالے بن جاتے ہیں اور آوارگی کا سامان پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح آوارگی اور فحاشی کا گمان ہونے لگتا ہے۔ یہ سب صرف بے رحم حقیقت نگاری کی وجہ سے ہو جاتا ہے لیکن بعض اوقات منٹو رمزیت وایمائیت کے پردوں میں بھی طنز کے تیر چلاتا ہے۔ ان کے مشہور افسانوں "پھندنے" اور "دھواں" میں رمزیت کی فضا تخلیق کی گئی ہے۔ افسانہ "پھندنے" آزادانہ جنسی اختلاط کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جس میں بلے اور کتے شہوت پرست مردوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں جب کہ بلی اور کتیا جنس زدہ عورتوں کے لیے استعمال کیے گئے ہیں۔ منٹو کے ہاں یہ علامات ایمائیت کے پردوں میں پیش کی گئی ہیں۔

افسانے "پھندنے" کا مرکزی کردار ایک امیر زادی ہے جو ایک دولت مند اور آوارہ مزاج خاندان کی نورِ چشم ہے۔ ان کی سوسائٹی میں آزادنہ جنسی اختلاط کو معیوب نہیں سمجھا جاتا۔ افسانے کی فضا یوں ہے:

"اس کی ممی دوسرے کمرے میں بیٹھی تھی۔ ڈرائیور اس کے بدن سے موبل آئیل پونچھ رہا تھا۔
ڈیڈی ہوٹل میں تھا۔ جہاں اس کی لیڈی اسٹینو گرافر اس کے ماتھے پر یوڈکلون مل رہی تھی
۔"(۹)

افسانے کا مرکزی کردار، اس کا بھائی، بھابھی، سہیلیاں اور ملازمائیں ایک کوٹھی میں رہتے ہیں اور معاشرے کے کھوکھلے پن اور نفسی کش مکش کی زندگی گزار رہے ہیں۔

علامتی اور رمزیہ انداز کے لیے یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

> "کوٹھی سے ملحہ وسیع و عریض باغ میں جھاڑیوں کے پیچھے ایک بلی نے بچے دیئے تھے جو بلا کھا گیا تھا۔ پھر ایک کتیا نے بچے دیے تھے جو بڑے بڑے ہو گئے تھے اور دن رات کوٹھی کے اندر بھونکتے اور گندگی بکھیرتے رہتے تھے۔ ان کو زہر دے دیا گیا تھا۔ ایک ایک کر کے سب مر گئے۔ ان کا باپ معلوم نہیں کہاں تھا۔"(۱۰)

اوپر کے اقتباس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہی ماحول کوٹھی کے اندر بھی تھا۔ مثلاً بلی اور کتیا کی مثال وہ غریب عورتیں ہیں جو جنسی اختلاط کے بعد اپنے بچوں سمیت قتل کر دی جاتی ہیں۔ یہی حال کوٹھی کا بھی ہے کہ یہاں بھی ایک غریب ملازمہ قتل کر دی جاتی ہے۔ جس طرح عیاش مرد نوجوان رنڈیوں کے جسم سے کھیل کر اپنی جنسی پیاس پوری کرتے ہیں۔ اس طرح کا ایک اور اقتباس ملاحظہ ہو:

> "اب کتے بھونکنے لگتے تھے۔ نارنگیاں فرش پر لڑھکنے لگیں۔ کوٹھی کے ہر فرش پر اچھلیں، ہر کمرے میں کودیں اور اچھلتی کودتی بڑے بڑے باغوں میں دوڑنے لگیں۔ کتے ان سے کھیلتے اور آپس میں لڑتے جھگڑتے۔"(۱۱)

اس افسانے میں وہ امیر زادی جس کوٹھی میں رہن سہن رکھتی ہے اس میں یہی کچھ ہوتا رہتا ہے۔ اس کی ماں کوٹھی کے پیچھے جھاڑیوں میں غیر مردوں کے ساتھ اپنا منہ کالا کرتی ہے۔ اسی طرح اس کا بھائی بھی ہے جو ایک دن اپنی ملازمہ کے ساتھ جنسی اختلاط کرتے ہوئے پکڑا گیا تھا اور اس کی بیوی نے موقع پر ہی دونوں کو قتل کر دیا تھا۔ خود امیر زادی بھی اپنے شوہر کے ساتھ مخلص نہیں ہے اور ایک دن شوہر، بھائی، ملازموں اور بچوں سے الگ تھلگ ہو جاتی ہے اور تنہائی کا شکار ہو کر اس کوٹھی میں قید ہو جاتی ہے۔ بعد میں تنہائی کے عذاب سے چھٹکارا پانے کے لیے اور اس ماحول سے عادی ہونے کے لیے شراب کا سہارا لیتی ہے۔ اس طرح بعد میں وہ اپنے جسم پر مختلف قسم کے رنگوں سے پینٹ کر کے آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر مختلف زاویوں سے خود کو دیکھتی رہتی ہے۔ اس طرح وہ اپنے گلے پر پینٹ کیا ہوا پھندنے والا گلوبند دیکھ کر محسوس کرتی ہے کہ اس سے اُس کی موت ہو جائے گی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ افسانہ جنسی ایمائیت اور تنہائی کے احساس سے بھرپور کہانی ہے جس میں رمزیت اور ایمائیت کے انداز میں ایک ایسے خاندان کی عکاسی کی گئی ہے جہاں دولت کی ریل پیل نے کوٹھی کے اندر عجیب قسم کا ماحول پیدا کر دیا ہے۔ جہاں مرد اور عورتوں کے ازادانہ میل جول نے اُن کے اندر جنسی اختلاط کو مکمل آزادی دی ہوتی ہے۔ کیوں کہ وہ امیر زادی، اس کی ماں، اس کا بھائی، بھابھی اور نوکر غرض ان کے رشتے دار اور عزیز و اقارب بھی اس قسم کے ماحول کے پروردہ ہیں۔ جب اس طرح کا ماحول ہوتا ہے تو پھر بے حیائی اور بے باکی در آتی ہے اور اس طرح جنسی ہوس اور پراگندگی کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ یہی خاندان تباہ ہو جاتا ہے بلکہ معاشرے پر بھی برا اثر پڑتا ہے۔

الغرض منٹو کے ہاں اس طرح کے افسانوں سے حقیقت نگاری ظاہر کر دی گئی ہے۔ منٹو معاشرے کا بے رحم تخلیق کار ہے جو حقائق سے نظریں نہیں چراتا بلکہ تلخ حقائق اور معاشرتی برائیوں کو بڑی فن کاری سے صفحۂ قرطاس پر ابھارتا ہے اور قاری سے داد و تحسین حاصل کرتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ممتاز شیریں، اردو افسانے پر مغربی افسانے کا اثر، مشمولہ، اردو افسانہ روایت اور مسائل، از ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، مکتبہ عالیہ، لاہور، ۱۹۸۰ء، ص ۸۲

۲۔ ایضاً، ص۸۷

۳۔ ایضاً، ص۸۹

۴۔ ایضاً

۵۔ ایضاً، ص۱۰۵

۶۔ اختر اورینوی، کلیاں اور کانٹے، اردو اکیڈمی، بہار، ۱۹۷۷ء، ص ۷۲

۷۔ ایضاً، ص۷۳

۸۔ ایضاً، ص۷۶

۹۔ سعادت حسن منٹو، پھندنے، مشمولہ، منٹوراما، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص۲۴۵

۱۰۔ ایضاً، ص۲۵۰

۱۱۔ ایضاً